

دربار

روشن اختر نام کا شہزادہ، برصغیر کی تاریخ کا عجیب و غریب کردار ہے۔ اٹھائیس برس مسلسل حکومت کرنے والا بادشاہ۔ مغلیہ تخت پر 1719 میں براجمان ہوا، تو ناصر الدین محمد شاہ کا لقب اختیار کیا۔ بچپن میں قید میں رہنے کے باعث ذہن میں انتہائی مشکل تبدیلی آچکی تھی۔ بہت حد تک منفی۔ کال کوٹھڑی سے نکال کر جب سید برادرز نے دہلی کے تخت پر بٹھا دیا تو حکومت چلانے کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ مگر بادشاہت میں حکمران کا نقص نکالنا اپنی گردن گنوانے کے برابر تھا۔ ویسے آج بھی یہی بہیمانہ اصول ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اسکو کم از کم مسلم دنیا میں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ سترہ سال کی عمر میں حکومت کا ”مائی باپ“ بننے کے بعد محمد شاہ مکمل طور پر ذہنی بدقماش کا شکار ہو گیا۔ ذرا سوچے کہ وہ کرتا کیا تھا۔ بادشاہ ہر وقت انتہائی خوبصورت عورتوں کے ہجوم میں رہتا تھا۔ جب محل سے دربار میں آتا تھا تو یہ خواتین اسکے ہمراہ ہوتی تھیں۔ کچھ خواتین کو تخت پر لٹا کر انکے اوپر بیٹھ جاتا تھا اور امور سلطنت انجام دیتا تھا۔ ایک دن محمد شاہ نے داروغہ زنداں کو بلایا اور حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ دہلی کے قید خانے میں تین سو قیدی تھے۔ جو بھیانک جرائم میں ملوث تھے۔ داروغہ ہکا بکارہ گیا۔ اسکی جرات نہیں تھی کہ بادشاہ کے سامنے بات کر سکتا۔ لہذا حکم کی تعمیل ہوئی۔ قید خانہ مکمل طور پر خالی ہو گیا۔ اگلے روز، بادشاہ نے داروغہ کو بلایا کہ کتنے قیدی آزاد کیے ہیں۔ جواب تھا کہ تین سو۔ بادشاہ کا حکم ملاحظہ فرمائیے۔ ایسے کرو دہلی کے بازاروں میں جاؤ اور تین سو آدمی گرفتار کر کے جیل میں ڈال دو۔ جو پہلے ملے، اسکو پکڑ لو۔ چنانچہ یہی ہوا۔ عمال نے دہلی کے بازاروں سے تین سو بے گناہ لوگوں کو پکڑا اور پابند سلاسل کر دیا۔ یہ تمام بے قصور لوگ عرصہ دراز تک کال کوٹھڑی میں گلتے سڑتے رہے۔ نادر شاہ یہی کرتا تھا۔ تھوڑے عرصے کے بعد، پرانے تمام قیدی آزاد کر دیتا تھا اور نئے بے گناہ شہری قید کر دیے جاتے تھے۔ خیال صرف یہ کیا جاتا تھا کہ تعداد وہی رہے۔ ویسے ہمارے ملک میں آج بھی تقریباً یہی اصول ہے۔

ایک دن ایک چھیتی کینر نے نادر شاہ کو کہا کہ آپ شہنشاہ ہند ضرور ہیں، تو کیا آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ بادشاہ جو کہ حالت نشہ میں تھا۔ گرجدار طریقے سے بولا کہ ہاں کیوں نہیں۔ کینر نے کہا کہ دیکھتے ہیں۔ ایسا کیجئے کہ آپ اپنے گھوڑے کو وزیر مقرر کر دیں۔ بادشاہ نے فوری طور پر اپنا گھوڑا منگوایا اور فرمان جاری کیا کہ آج سے یہ وزیر ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ گھوڑا شاہی خلعت میں ملبوس دربار میں تمام وزراء کے ساتھ موجود رہتا تھا۔ کسی کی جرات نہیں تھی کہ بادشاہ کو سمجھائے کہ یہ تو جانور ہے اسے کیسے وزیر بنایا جاسکتا ہے۔ سرکار کا کام تو اتر سے چلتا رہا۔ بادشاہ کے دربار کے حقائق حکومتی نظام کا وہ نوحہ ہے جسے ہم کبھی بھی سننا نہیں چاہتے۔ بادشاہ اکثر اوقات دربار میں عمائدین کے سامنے برہنہ ہو جاتا تھا۔ حکم تھا کہ بادشاہ کے ساتھ ساتھ تمام درباری بھی کپڑے اتار دیں۔ اسی طرح ہوتا تھا تمام درباری برہنہ ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ یہ عام لوگ نہیں تھے۔ یہ وہ ستون تھے جن پر سلطنت چل رہی تھی۔ کوئی جرات نہیں کرتا تھا کہ بادشاہ کو سمجھائے کہ جناب، آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ تعجب کی بات یہ بھی ہے کہ بادشاہ کا ہر حکم ماننے والوں میں تمام مذہبی اکابرین بھی شامل تھے۔ یعنی بادشاہ کی حکم عدولی کرنے کیلئے کوئی بھی تیار نہیں تھا۔ اپنی نوکری، مراعات، رعب و دبدبہ کیلئے وہ سب کچھ کرنے کیلئے تیار تھے۔ سب

کچھ۔ بادشاہ نے ایک ایسا شاہی فرمان بھی جاری کیا تھا جسکے مطابق برصغیر کی تمام خوبصورت عورتیں بادشاہ کی ”امانت“ تھیں۔ اگر کوئی اس امانت میں خیانت کا ارتکاب کریگا، تو اسکی گردن زنی کر دی جائیگی۔ سرکاری حکم پر من و عن عمل ہوا۔ اور اس شرمناک فرمان کی سو فیصد تعمیل کروائی گئی۔ یہ بادشاہ کوئی دو چار سال کیلئے برصغیر پر حکومت نہیں کرتا رہا۔ اسکی بادشاہت کا دورانیہ اٹھائیس برس تھا۔ ان تقریباً تین دہائیوں میں برصغیر کے عوام کے ساتھ جو ناروا سلوک رکھا گیا، اسکو بیان کرنا حد درجہ مشکل ہے۔ واقعات تو بہت سے ہیں۔ مگر انکا لکھنا کافی دردناک ہے۔ لکھنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ مقصد صرف ایک ہے کہ عرض کر سکوں کہ اس خطے پر کون کون سے عذاب برپا ہوتے رہے۔ اور لوگ اسے برداشت کرتے رہے۔ اور آج بھی کر رہے ہیں۔

حالات، واقعات کی سختی دیکھ کر مجبور ہو چکا ہوں کہ اپنے ملک کے گزشتہ تہتر برس کو اسی زاویہ سے دیکھوں جو محمد شاہ رنگیلا کے عرصہ حکومت میں موجود تھا۔ کوشش کیجئے۔ ذرا پرکھیے۔ سوچیے۔ ہمارے ملک میں کیا اب شاہی دربار ختم ہو چکے ہیں۔ جی نہیں۔ یہاں ہر ادارے کا اپنا اپنا دربار ہے۔ مخصوص درباری ہیں۔ اس ادارے کا حکمران جو مرضی لغو کر سکتیں کرے۔ واہ واہ کرنے والے پٹیجی نمادرباری وافر تعداد میں ہر دم موجود ہیں۔ اداروں کو ایک طرف رکھ دیجئے۔ سیاسی منظر نامہ پر نظر ڈالیے۔ موجودہ حالات میں ہمارے ملک میں تین یا چار بڑے رعب و دبدبے والے سیاسی دربار موجود ہیں۔ پنجاب کا اپنا سیاسی قبلہ ہے۔ سندھ کا سیاسی مرقد کوئی اور ہے۔ اور وفاق کسی اور دربار سے منسلک ہے۔ ویسے اب اس ملک میں سیاست کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ سچ یہ بھی ہے کہ برصغیر میں کبھی بھی عوامی فلاح کیلئے کوئی حکمران تگ و دو نہیں کرتا۔ ہماری ذہنی پسماندگی کا اندازہ لگائیے۔ اگست 1947 کو جب ہمارا ملک وجود میں آیا تھا اور اسکے ساتھ ساتھ چودہ لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتارا جا رہا تھا، یعنی وسطی پنجاب خون میں نہا رہا تھا۔ عین اسی دم، گورنر ہاؤس لاہور میں ایک بہت بڑی محفل ناؤ نوش منعقد ہو رہی تھی۔ آزادی کی خوشی کا سماں تھا۔ یہ سرکاری جشن تھا۔ یہ جشن پنجاب کے انگریز گورنر ایون جینکنز (Evan Jenkins) نے برپا کر رکھی تھی۔ شمولیت کرنے والوں میں کثیر تعداد میں مقامی لوگ تھے۔ دھیان کیجئے کہ گورنر ہاؤس کے باہر عام لوگوں پر قیامت برپا تھی۔ ہندو، مسلمان اور سکھ ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے اور سرکاری سطح پر ایک جشن کی کیفیت تھی۔ یہ مرحلہ آج بھی اسی طرح قائم و دائم ہے۔ صرف انداز بدل گیا ہے۔ مگر جوہری طور پر معاملات جوں کے توں ہیں۔ عوام کی حالت نہ پہلے ٹھیک تھی اور نہ اب بہتر ہے۔ نعرے ہی نعرے ہیں۔ اور منافقت ہی منافقت ہے۔ چلیے موجودہ حالات میں ملک کے حالات کا غیر متعصب جائزہ لیتے ہیں۔ ویسے اب غیر متعصب لفظ کا مفہوم سمجھ نہیں آتا۔ اسلیے کہ تقریباً تمام لوگ کسی نہ کسی ذاتی تعصب کے بھرپور شکار ہیں۔ پنجاب میں پینتیس برس ایک ہی خاندان کی شخصی حکومت رہی۔ یہ کاروباری لوگ تھے۔ اخلاقیات سے انکا کسی قسم کا واسطہ نہیں تھا اور نہ ہے۔ اس خاندان کا حکومتی ماڈل مکمل طور پر ذاتیات پر مبنی تھا۔ اس میں عوام کی ترقی کا صرف نمائشی عنصر شامل تھا۔ 1985 سے ہی ان لوگوں نے تندہی سے اپنے انداز فکر کو بڑھاوا دیا۔ نام تک جانتا ہوں۔ واقعات تک یاد ہیں۔ سب سے پہلے اس خاندان نے چند سرکاری ملازمین کو منتخب کیا اور انہیں اپنے کام میں شریک کر لیا۔ ہر طرف ہن برسنے لگا۔ چیدہ چیدہ سرکاری عمال کے ذریعے سے انہوں نے ذاتی قرابت داری کا ایک مکمل جال ترتیب دیا۔ اسکے ساتھ ساتھ، انتہائی سفاکی سے ہر ضلع یا تحصیل میں ایسے سیاسی

لوگوں کو قریب کیا جو بھرپور طریقے کے درباری تھے۔ اس میں جرائم پیشہ لوگ بھی شامل ہو گئے۔ ان لوگوں کو قربت کی وجہ سے اہمیت دی گئی۔ انہیں دولت کے گنگا جل میں ڈکیاں لگانے کا بھرپور موقعہ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورے پنجاب میں ایک نئی اشرافیہ کا جنم ہوا، جو اصل میں اندرونی اعتبار سے بدمعاشی تھی۔ بالکل انہی خطوط پر ہر شعبہ زندگی کے اہم لوگوں کو چن چن کر نوازا گیا۔ ان میں اہل علم، اہل دانش یعنی ہر قبیل کے لوگ شامل تھے۔ جعلی اشرافیہ کے ذریعے، اس خاندان نے پورے ملک کی سیاست تبدیل کر دی۔ جو لوگ گزشتہ تیس برس میں زمین سے آسمان تک پہنچ گئے انکی بقا اسی میں ہے کہ اس خانوادے کے ساتھ چپکے رہیں۔ ہر ضلع یا تحصیل میں انکے ”ادنیٰ“ خادم“ موجود ہیں۔ یہ روزمیڈیا کے ذریعے جمہوریت پسندی کا درس دیتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتاتے کہ آج سے تین دہائیاں پہلے وہ کیا تھے۔ کوئی سائیکل پر تھا اور کوئی پیدل۔ اب ماشاء اللہ انکی اکثریت کم از کم ارب پتی ہے۔

سندھ کے حالات بھی مکمل طور پر یہی ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کے علاوہ پورے بھٹو خاندان میں ایمانداری کے متعلق کوئی سند موجود نہیں ہے۔ محترمہ بینظیر تک تو کسی نہ کسی طریقے سے بھرم رکھا گیا تھا۔ مگر اب گزشتہ تیرہ برس میں سندھ کو محمد شاہ رنگیلے کے درباری طرح کا بنا دیا گیا۔ سندھ میں رشوت شاہی، بے ایمانی، کرپشن کو جعلی سیاسی شعبہ بازی سے چھپانے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ مگر یہ بے سود ہے۔ ال زردار کی نگرانی میں وزراء سرکاری عمال، میڈیا ہاؤسز، چیدہ چیدہ لوگوں کا وہ گروہ تشکیل دیا گیا ہے۔ جو آج بھی روزانہ کی بنیاد پر دیہاڑی لگا رہا ہے۔ ذہنی مفلسی کا حال یہ ہے کہ اب بھی یہ نعرہ مقبول عام ہے۔ ”ایک زرداری، سب پر بھاری“۔ یہ الفاظ بذات خود قیامت صفری ہیں۔ سندھ میں کسی قسم کی کوئی فلاحی حکومت نہیں ہے، اور نہ ہوگی۔ اسلیے کہ کرپشن اب اس قوم کا کوئی حقیقی مسئلہ رہا نہیں ہے۔ ہاں باتوں کی حد تک ٹھیک ہے۔ سندھ پر بات کرنا وقت کے ضیاع سے آگے کچھ نہیں ہے۔ اب تحریک انصاف کے انتخابی اعلانات کی طرف آتا ہوں۔ عمران خان نے جو نعرے دیے تھے، مڈل کلاس کے دل کی آواز تھی۔ اور اسی متوسط طبقے نے حق رائے وہی استعمال کیا۔ اور عمران خان کو وزیر اعظم بنا دیا۔ آج تک ایک بھی انتخابی اعلان کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچایا گیا۔ پنجاب کو مرکز سے کنٹرول کرنے کا اتنا ادنیٰ عمل شروع کیا گیا جس سے ملک کے سب سے بڑے صوبے کی انتظامی چولیس ہل گئیں۔ خان صاحب کی حکومت بھی اب ناکامی کی طرف سفر کر رہی ہے۔ کے پی اور بلوچستان کے حالات نہیں جانتا۔ اسلیے ذکر نہیں کیا۔ مگر وہ بھی اس ملک کا حصہ ہیں۔ پنجاب اور سندھ سے کیا بہتر ہونگے۔ جوہری نکتہ یہی ہے کہ اس خطے میں ہزاروں سالوں سے کبھی فلاحی حکومت پنپ نہیں سکی۔ ہر حکمران اندر سے محمد شاہ رنگیلہ ہی ہے۔ صرف باہر کا چولہ مختلف ہے۔ عوام کا کیا ہے۔ یہ لوگ آج سے تین سو سال پہلے بھی کمزور، نحیف اور لاغر تھے اور آج بھی یہی حال ہے۔ شاہی دربار کے رواج پہلے بھی وہی تھے اور آج بھی وہی ہیں۔ صرف نظر کا دھوکہ ہے!

راؤ منظر حیات